رسائل و مسائل

علمبرداران حق کا قافلہ کس منزل میں

ذیل کے چند خطوط کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ تحریک اسلامی کو قبول کر لینے کی وجہ سے ہمارے رفقا کن کن مشکلات میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ بس جہاں کوئی سلیم الفطرت انسان خلوص و دیانت کے ساتھ خدا کا کام کرنے اٹھا، خدا کے بندے اس کے راستہ میں طرح طرح سے حائل ہونے لگے۔ طرفہ تماشا یہ کہ اس تصادم کا آغاز بالعموم گھر کی چار دیواری سے ہوتا ہے، ماں اور باپ، بہن اور بھائی ہی اعلان جنگ کرنے میں سبقت کرتے ہیں۔

مگر یہ سب کچھ توقع کے خلاف نہیں ہے۔ اس راہ میں ہمیشہ یہی پیش آیا ہے اور آج بھی یہی پیش آ سکتا ہے۔ خوش بخت ہیں وہ لوگ جو غیر اللہ کے مظاہرۂ غیظ و غضب کا مقابلہ کرنے کے لیے خدا سے استقامت کی توفیق پائیں۔

سوال:- میں اپنے حالات مختصراً پیش کرتا ہوں۔ مجھے بتلائیے کہ کونسا طریق کار اختیار کروں کہ میرے اسلام میں فرق نہ آئے

(۱) والدین اٹھتے بیٹھتے اصرار کر رہے ہیں کہ ملازمت پر واپس چلا جاؤں۔ بحالت موجودہ وہ نہ صرف اپنا بلکہ خدا کا نافرمان بھی گردانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صرف ایسے وقت پر والدین کی نافرمانی جائز ہے جب وہ یہ کہیں کہ خدا کو نہ مانو۔ باقی تمام امور میں والدین کا حکم شرعی طور پر واجب التعمیل ہے۔ عنقریب وہ اعلان کرنے والے ہیں کہ نوکری پر چلا جاؤں تو بہتر ورنہ میرا ان سے کوئی تعلق نہ رہ سکے گا۔ بس وہ اتنی رعایت مجھے دیتے ہیں کہ اگر میں مستقل طور پر ملازمت اختیار کرنا نہیں چاہتا تو کم از کم سال ڈیڑھ سال اور اختیار کیے رکھوں، حتی کہ میرے چھوٹے بھائی بی۔ اے کر لیں اور میری خالی جگہ کو پر کر سکیں۔ اس سلسلہ میں گنہ وہ اپنے سر لیتے ہیں

(۲) ادھر عوام میں میری بے اثری بڑھ رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس ذوق و شوق سے دوران ملازمت میں لوگ میری بات سنا کرتے تھے یا حمایت کا دم بھرا کرتے تھے اب وہ ختم ہو رہا ہے۔ بلکہ میری باتوں کا ان پر الٹا اثر ہوتا ہے۔

(۳) بڑے بھائی بتلاتے ہیں کہ اگر نوکری حرام ہے تو زمینداری کونسی حلال ہے۔ ہماری زمین سرکار ـــــ (ایک ریاست) نے ہمارے آباؤ اجداد کو بخشش کے طور پر دی تھی وہ تو تمہارے نظریہ کی رو سے حلال آمدنی قطعاً نہیں دے سکتی۔ علاوہ بریں اسلام میں زمیندارہ سسٹم سرے سے ناجائز ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے دادا نے اپنی جائداد بروئے شریعت تقسیم نہیں کی تھی۔ ان کی وراثت صرف نرینہ اولاد میں چلی ہے اور مستورات کو محروم رکھا گیا ہے۔ پھر نوکری کو حرام کہنے کے بعد ایسی جائداد پر کوئی شخص کیسے بسر اوقات کر سکتا ہے؟

(۴) مسلمانوں کی اکثریت جہالت اور شرک میں مبتلا ہے۔ قبروں پر حاجات لے کر جانے اور نہ جانے کا سوال بہت اہمیت اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس سلسلہ میں اگر مصلحۃً سکوت کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حق کو قبول کرنے کے ساتھ لوگ شرک کرنے کی گنجائش کو بھی بحال رکھیں، یوں بھی مصلحت اندیشی تا کجے۔ آخر بھانڈا پھوٹتا ہے اور لوگوں کو معلوم ہو کے رہتا ہے کہ ہم قبروں پر جا کر حاجات طلب کرنے کے خلاف ہیں۔ جہاں یہ بات کھلی بس فوراً ہی آدمی کو وہابی کا سرٹیفکیٹ ملا اور کسی کو وہابی قرار دینے کے بعد لوگ اس کی بات سننے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے بلکہ اس سے بدکنے لگتے ہیں کہ کہیں یہ ہمارے عقائد کے اس محل پر پتھر نہ پھینک مارے جس کی تعمیر میں ان کے آباء و اجداد نے پسینے بہائے ہیں اور جس کی حفاظت میں عمریں گذار دی گئی ہیں۔ میں بھی اب اسی خدشہ کا ہدف بن رہا ہوں۔

جواب:۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ اب اسی مرحلہ پر پہنچ گئے ہیں جس سے میں نے آپ کو یہاں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ میں اس معاملہ میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ آپ کیا رویہ اختیار کریں۔ اس کا فیصلہ آپ کو بالکل اپنے قلب و ضمیر کی آواز پر کرنا چاہیے اور اپنی ہمت کا جائزہ لے لینا چاہیے۔ بہرحال جو فیصلہ بھی آپ کریں، ٹھنڈے دل سے کریں اور خدا سے دعا مانگتے رہیں کہ آپ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس کے بعد پسپائی کی نوبت آئے۔ پسپا ہونے سے اقدام نہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

فیصلہ کو آپ کے اپنے ضمیر پر چھوڑنے کے بعد میں صرف ان دلائل کا جواب دیے دیتا ہوں جو آپ کے مقابلہ میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) عذاب و ثواب کوئی کسی کا دنیا میں نہیں اٹھا سکتا۔ ہر شخص اپنے عذاب و ثواب کا خود حامل ہے۔ میرے کہنے سے اگر آپ کوئی گناہ کریں تو میں کہنے کا گنہگار ہوں گا اور آپ کرنے کے گنہگار ہوں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کے کرنے کا گناہ بھی کہنے والے کی طرف منتقل ہو جائے۔

(۲) والدین کی فرمانبرداری صرف اسی حد تک ہے جس حد تک ان کی فرمانبرداری سے خالق کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو۔ اگر وہ کسی معصیت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت کرنا صرف یہی نہیں کہ فرض نہیں ہے بلکہ الٹا گناہ ہے۔

(۳) جس فعل کو آپ خود معصیت سمجھتے ہوں اسے ڈیڑھ یا دو سال تک صرف اس لیے کرتے رہنا کہ خاندان کا ایک اور فرد آپ کے بجائے اس معصیت کے لیے تیار ہو جائے، بالکل ایک غلط فعل ہے۔ اگر آپ اپنے عقیدے میں صادق ہیں تو آپ کی یہ دلی خواہش ہونی چاہیے کہ نہ صرف آپ خود اس سے بچیں بلکہ خدا کا ہر بندہ اس سے محفوظ رہے۔

(۴) یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام میں زمینداری سرے سے ناجائز ہے۔ زمین کی شخصی ملکیت کو اسلام تسلیم کرتا ہے اور اگر کوئی شخص خود کاشت نہ کر سکتا ہو تو بٹائی پر دوسرے کو دینا جائز ہے۔ البتہ ہندوستان میں زمینداری کی بعض شکلیں ایسی ضرور رائج ہو گئی ہیں جو جائز نہیں ہیں۔ اگر شرعی طریقہ پر آپ زمینداری کریں اور ناجائز فائدے اٹھانے سے بچیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) جو جائداد کسی شخص کو آباء و اجداد سے ملی ہو اس کی سابق تاریخ دیکھنے کا شریعت نے اسے مکلف نہیں کیا۔ اس معاملہ میں قرآن کا قانون گذشتہ پر گرفت نہیں کرتا بلکہ حال اور مستقبل کی اصلاح ہی پر اکتفا کرتا ہے۔ اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ جب وہ جائداد اس کی ملکیت میں آئے اس وقت سے وہ اس میں شرعی طریقہ پر تصرف کرے اور سابق میں جن

لوگوں نے اس کو غلط طریقہ سے حاصل کیا تھا اور اس میں غلط تصرفات کیے تھے ان کے معاملہ کو خدا پر چھوڑ دے۔ البتہ اگر کوئی چیز آپ کے قبضہ میں ایسی ہو جس کے بارے میں آپ کو متعین طور پر معلوم ہو کہ اس میں فلاں فلاں لوگوں کے غصب شدہ حقوق شامل ہیں اور وہ لوگ بھی موجود ہوں، نیز ان کا حصہ بھی متعین طور پر معلوم ہو تو اپنی حد تک ان کے حقوق واپس کر دیجیے۔

(۶) ملازمت کے زمانہ میں آپ کے ذاتی اور خاندانی اثر کی بدولت جو لوگ آپ کا اثر قبول کر رہے تھے وہ حقیقت میں دین کی دعوت سے متاثر نہیں ہو رہے تھے، وہ جاہ و مال کے بت کی پوجا کر رہے تھے اور آئندہ بھی اگر آپ اس پوزیشن پر رہیں تو یہ دھوکا نہ کھایئے گا کہ لوگوں کو آپ خدا پرست بنا رہے ہیں۔ سچے خدا پرست تو وہی لوگ ہوں گے جو آپ کی دنیوی پوزیشن کو دیکھ کر نہیں بلکہ آپ کی دعوت کی سچائی اور آپ کے تقویٰ کو دیکھ کر متاثر ہوں۔ میرے نزدیک تو آپ صحیح معنوں میں دعوتِ حق کے داعی اسی وقت بنیں گے جب تمام اعزازات آپ سے چھن جائیں، زمین آپ کو جگہ دینے سے انکار کر دے اور وہ سب جو کل تک آپ کے سامنے جھکے پڑتے تھے، آپ کو رد کرنے اور آپ سے منہ پھیرنے پر اتر آئیں۔ یہ صورت حال ہے تو بہت خطرناک لیکن اس راہ میں یہی کچھ مفید ہے۔ اگر خدا نے آپ کو اتنی طاقت دی کہ آپ اسے برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں تو اس کا حقیقی فائدہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہو گا اور اسی وقت آپ کو اللہ تعالیٰ جھوٹے رفیقوں کی رفاقت سے بچا کر سچے رفیق بہم پہنچائے گا۔

(۷) عوام کے عقائد پر خواہ مخواہ بادل و ہلہ ضرب لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے لیکن اپنے عقائد پر پردہ ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ "وہابیت" کے الزام سے بچنے کا اہتمام نہ کیجیے۔ لوگوں نے درحقیقت مسلمان کے لیے یہ دوسرا نام تجویز کیا ہے۔ وہ گالی مسلمان کو دینا چاہتے ہیں لیکن مسلمان کہہ کر گالی دیں تو اپنا اسلام خطرہ میں پڑتا ہے اس لیے وہابی کہہ کر گالی دیتے ہیں۔ اس حقیقت کو جب آپ سمجھ جائیں گے تو پھر وہابی کے خطاب سے آپ کو کوئی رنج نہ ہو گا۔ جو عقائد اور جو اعمال مشرکانہ ہیں ان سے بہر حال پرہیز کیجیے اور توحید کو اس کے اصلی تقاضوں کے ساتھ بے تکلف بیان کیجیے۔ شرک اور مشرکانہ باتوں سے پرہیز اور توحید اور مقتضیاتِ توحید کی پابندی اگر وہابیت ہے تو خدا اپنے ہر بندے کو وہابی ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور غیر وہابی ہونے سے بچائے۔

سوال: موبجاتی اجتماع سے واپس آنے پر میں یکایک ان پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا ہوں جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ آپ کی شدید مصروفیات کا علم رکھنے کے باوجود ان احوال کا تفصیلی تذکرہ آپ ہی کے اس ارشاد کی بنا پر کر رہا ہوں کہ اس نوعیت کے امور سے آپ کو پوری طرح مطلع رکھنا ضروری ہے۔ خیر تو ۱۹ / اکتوبر کو والد مکرم کا جو گرامی نامہ موصول ہوا ہے وہ لفظ بلفظ درج ذیل ہے:۔

"برخوردار نور چشم ——— بعد دعائے ترقیٔ درجات کے واضح ہو کہ اب تم خود مختار ہو گئے ہو، ہماری سرپرستی کی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم مکان پر بیمار پڑے ہیں اور تم کو جلسوں کی شرکت لازم اور ضروری۔ اب اللہ کے فضل سے نوکر ہو گئے۔ ہم نے اپنی تمام کوشش سے تعلیم میں کامیاب کرایا اور اس کا نتیجہ پایا۔ عالم باعمل ہو گئے کہ باپ کا حکم ماننا ظلم اور حکم خدا کے خلاف قرار پایا۔ اوروں کا حکم ماں باپ سے

زیادہ افضل! خیر تمہاری کمائی سے ہم نے اپنی ضعیفی میں بڑا آرام پایا۔ آئندہ ایک پیسہ بھی ہم لینا نہیں چاہتے۔ جو تمہارا جی چاہے کرو اور جہاں چاہے رہو، خواہ سسرال میں یا کسی اور جگہ۔ البتہ ہم اپنی صورت اس وقت تک نہیں دکھلانا چاہتے جب تک جماعت سے استعفا نہ دیدو۔ تم نے برابر اس مراق میں (یعنی تحریک اسلامی کی خدمت میں) سب تعلیم کا کام خراب کر دیا۔ گو ہمارا نصیحت کرنا بیکار ہے۔ ہمیں یہ واضح رہے کہ ہمارے سامنے نہ آنا۔ ہمارا ضعف بہت خراب ہے۔ فقط

والد مکرم کے اس خط کا جواب راقم الحروف نے یہ لکھ دیا:۔

"محترمی! کل آپ کا گرامی نامہ بدست .... موصول ہوا۔ اسے دیکھ کر اور آپ کی بیماری کا حال معلوم کر کے بڑا افسوس ہوا۔ یقین جانیے مجھے خبر تک نہ تھی کہ آپ بیمار ہیں۔ نہ آپ نے کوئی خط لکھا نہ مجھے کسی اور ذریعہ سے حال معلوم ہوا ورنہ میں یقیناً وہاں نہ جاتا۔ یہ ایک عذر شرعی تھا جس کی بنا پر سفر کو ملتوی کیا جا سکتا تھا۔

والدین کے احسانات اور ان کی مہربانیوں کا کون انکار کر سکتا ہے۔ پھر آپ نے تو اعلیٰ تربیت کی اور دینی تعلیم سے آراستہ کیا۔ اسی تعلیم سے مجھے یہ یقین حاصل ہوا کہ دین کو دنیا میں غالب کرنا، خدا کے کلمہ کو بلند کرنا، دنیا میں اسلام کا سکہ چلانا اور اس کے لیے کوشش کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ میں نے گرد و پیش کی دنیا پر نظر ڈالی اور مجھے ایک ہی جماعت اس مقصد کے لیے صحیح طریقہ اور اصلی اور بہترین ڈھنگ سے کام کرتی ہوئی نظر آئی اور وہ جماعت "جماعت اسلامی" ہے۔ اس لیے اگر مجھے دین کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے کوشش کرنی ہے تو اس سے منسلک رہنا ضروری ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ دین کے غلبہ کی کوشش اگر مسلمان کی زندگی کا مقصد نہیں تو پھر اور کیا مقصد ہے!

والدین کا حکم ماننا ضروری! ان کی اطاعت فرض! لیکن کہاں تک؟ جب تک خدا اور رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ اگر دین کو غالب کرنا ضروری ہے تو وہ کیا یونہی آرام سے بیٹھے ہوئے، بے انتھک کوشش کیے ہوئے ہو سکتا ہے؟ کیا یہ کوئی بہت سہل کام ہے؟ کیا دین کے لیے اتنی قوت اور اتنا وقت بھی صرف نہیں کرنا چاہیے جتنا ہم اپنے پیٹ کے لیے کرتے ہیں؟ کیا یہ کام تنہا ایک آدمی کے کرنے کا ہے؟ ـــ بہر حال دین کے لیے جس جماعت میں بھی رہ کر کام کیا جائے گا اس میں وقت بھی صرف ہوگا، مال بھی خرچ کرنا ہوگا، تکلیف بھی ہوگی، کچھ دنیاوی کاموں کا حرج بھی ہوگا، اور کسی نہ کسی قوت سے تصادم کا ڈر بھی ہوگا اور آپ منع فرمائیں گے۔ پھر مشورہ! آپ ہی بتائیے کہ اس کام کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ آپ کی سرپرستی سے محروم ہو جانا میری انتہائی بدنصیبی ہے۔ لیکن یہ تو خیال فرمائیے کہ آپ کس چیز سے مجھے منع فرما رہے ہیں۔ ذرا خود تو دیکھیے کہیں یہ حکم خدا کے خلاف تو نہیں ہے

قل ان کان آباء کم وابناء کم واخوانکم وعشیرتکم واموال ناقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔ واللہ لا یہدی القوم الفاسقین (سورہ توبہ) ترجمہ:۔ اے نبی فرما دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان، تمہارے وہ اموال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری وہ سوداگری جس میں گھاٹا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور تمہاری مرغوب آرام گاہیں تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں سر توڑ کوشش کرنے کے مقابلہ میں محبوب تر ہیں تو انتظار کرو اس گھڑی کا کہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے۔ اور یاد رکھو کہ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں بخشتا۔

میں سخت حیرت اور انتہائی افسوس کے ساتھ دیکھ رہا ہوں کہ دین کے غلبہ کے لیے جو کوشش میں کر رہا ہوں اس پر آپ ناراض ہیں۔ آخر آپ ہی فرمایئے کہ اس صورت میں میرا فرض کیا ہے؟ مندرجہ بالا آیت کو ملحوظ رکھ کر سوچیے۔

حاضر ہونے کو جی چاہتا ہے مگر آپ کے عتاب سے خائف ہوں۔ دیکھیے آپ کیا اجازت عنایت فرماتے ہیں۔"

یہ جواب اس پس منظر کی بنا پر لکھا گیا تھا کہ والد صاحب وقت کی اضاعت، صرف مال اور خوف قوت تسلط کی بنا پر جماعت میں کام کرنے سے منع کرتے ہیں نیز یہ کہ ان کے اشارے پر .... سے ایک بہت مدلل قسم کا طویل و عریض خط آیا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ بہرحال حق و اسلام جماعت اسلامی میں منحصر نہیں، تنہا کام کیجیے یا کسی اور جماعت میں رہ کر۔

والد محترم کی طرف سے مجھے ابھی تک مندرجہ بالا عریضہ کا جواب نہیں ملا ہے۔ اندریں حالات مناسب ہدایات سے مستفید فرمایئے۔

جواب:۔ آپ نے والدین کے عتاب پر جو جواب دیا ہے وہ بہت معقول ہے۔ مسلمان کی زندگی ایک نہایت متوازن زندگی کا نام ہے جس میں تمام حقوق و فرائض کا مناسب لحاظ ہونا چاہیے اور کسی حق یا فرض کی اضاعت نہ ہونی چاہیے، الا یہ کہ ایک حق کو دوسرے حق پر اس حد تک قربان کیا جائے جس حد تک ایسا کرنا شرعاً ضروری ہو۔ والدین کا حق خدا کے حق کے بعد سب سے بڑا ہے، لیکن بہرحال خدا کے حقوق کے بعد ہی، اس پر مقدم کسی طرح نہیں ہے۔ پس جہاں خدا کا حق ادا کرنے کے لیے والدین کے حق میں کوئی کمی کرنا بالکل ناگزیر ہو وہاں موقع و محل کو ٹھیک ٹھیک ملحوظ رکھتے ہوئے صرف اسی حد تک کمی کی جائے اور ساتھ ساتھ ان کے عتاب اور خشم کو نہایت تحمل اور تواضع کے ساتھ برداشت کیا جائے۔ ان کی سختی کے مقابلہ میں اف تک نہ کیجیے، مگر جس چیز کو آپ اپنی دینی بصیرت کے مطابق دین سمجھتے ہیں اس سے والدین کو خوش کرنے کے لیے بال برابر بھی نہ ہٹیے۔ اولاد پر والدین کی خدمت، اطاعت اور ادب فرض ہے لیکن ان کی خاطر ضمیر کی قربانی فرض نہیں ہے، خصوصاً اس ضمیر کی جو دین کی روشنی سے منور ہو چکا ہو۔

اس معاملہ میں آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی متعدد صحابہ کرام کو یہ مشکل پیش آچکی ہے۔ اس وقت حضورؐ کی رہنمائی میں صحابہ کرام نے اپنے ان والدین کے ساتھ جو راہِ حق میں کسی نہ کسی طرح مزاحم ہو رہے تھے، جو طرز عمل اختیار کیا اس کو ملحوظ رکھیے۔

سوال:۔ ہمارے ہاں کے ایک نوجوان رکن جماعت ...... میں اپنے بڑے بھائی کی زیر سرپرستی تجارت کر رہے ہیں لیکن دین میں احکام شریعت کی پابندی اور وقت پر نماز پڑھنے کے لیے چلے جانے کی بنا پر ان کے بڑے بھائی سخت برہم ہیں اور ان پر سختی کر رہے ہیں۔ اب تک ان کے کئی خطوط میرے نام آچکے ہیں جن میں انھوں نے لکھا ہے کہ تیری (یعنی راقم الحروف کی) وجہ سے میرا بھائی خراب ہو گیا ہے، اس پر دیوانگی طاری ہے۔ کاروبار میں اسے کوئی دلچسپی نہیں رہی، رات دن تیرا وظیفہ پڑھتا ہے۔ تو شیطان ہے، انسان کی شکل میں ابلیس ہے، ماں باپ اور اولاد میں اور بھائیوں میں جدائی ڈالتا ہے، میرے بھائی سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھ، اس کے نام نہ خط لکھ، نہ ہی اجتماع میں شرکت کی دعوت دے، بلکہ اس کو جماعت سے خارج کر دے ورنہ ———!

اس سلسلہ میں مناسب ہدایات سے ہماری رہنمائی کیجیے۔"

جواب :- جہاں خاندان کے لوگ جاہلیت میں مبتلا ہوں اور راہ راست پر چلنے میں اپنے بھائی بندوں کی مزاحمت کرتے ہوں وہاں تو فی الواقع جدائی ڈالنا ہی ہمارا کام ہے۔ ایسے اعزہ و اقربا اور دوستوں سے اہل ایمان کو ملانا نہیں، بلکہ توڑنا اور کاٹنا ہی ہمارے پیش نظر ہے۔ لہٰذا جو الزام ہمارے رفیق کے بھائی نے آپ پر لگایا ہے، اس کی تردید کی ضرورت نہیں بلکہ صاف صاف اعتراف کی ضرورت ہے اور بہت نرمی کے ساتھ ان کو اس بات سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر وہ اس جدائی کو میل اور موافقت میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو خداپرستی اور دینداری میں مزاحم ہونے کے بجائے مددگار اور ساتھی بننے کی کوشش کریں ورنہ ہم اور ہمارا رفیق اپنے طرز عمل پر قائم رہیں گے اور آپ کو اختیار ہے کہ جو سلوک آپ کا نفس ہمارے ساتھ کرنا چاہتا ہے وہ کر

البتہ یہ خیال رکھیے کہ آپ کی طرف سے کوئی بات ضد یا اشتعال دلانے والی نہ ہو، بلکہ صبر و تحمل کے ساتھ اس شخص کے نفس کی اصلاح کرنے کی کوشش کیجیے جس کو جاہلیت کے غلبہ نے اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ وہ اس آیت کا مصداق بن گیا: ارأیت الذی ینہیٰ عبداً اذا صلّٰی۔

درحقیقت یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے گروہ میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن کو نماز کی پابندی تک گوارا نہیں ہے۔ خود پابندی کرنا تو درکنار، دوسرا اگر کرتا ہے تو اس پر بھی بگڑتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کی حالت پر اگر کبھی ہم تنقید کرتے ہیں تو ہمیں خارجیت کا طعنہ دیا جاتا ہے

سوال :- میں بغرض تعلیم اسی سال .... چلا گیا تھا۔ داڑھی رکھ کر گھر واپس آیا تو تمام دوست و احباب نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ خود والد مکرم بھی بشدت مجبور کر رہے ہیں کہ "داڑھی صاف کرادو کیونکہ اس کی وجہ سے تم بڑے بوڑھے معلوم ہوتے ہو۔ اگر اصرار سے کام لوگے تو ہم تم سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے"۔ گھر سے نکلنے پر دوست بہت تنگ کرتے ہیں اس لیے مجبوراً خانہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ لیکن ستم تو یہ ہے کہ اب چند اصحاب کی طرف سے یہ پیغام ملا ہے کہ "اگر آٹھ یوم میں ہمارا مطالبہ پورا نہ کیا گیا یعنی ڈاڑھی نہ منڈوائی گئی تو تمام برادری سے متفقہ بائیکاٹ کرایا جائے گا۔ بڑی عمر میں یہ شوق رکھ لینا مگر اب اگر رکھوگے تو زبردستی سے کام لیا جائے گا"۔ میں ڈاڑھی کو پابندی احکام شریعت جب بہت حد پاتا ہوں۔ مثلاً مجھے سینما بینی کا شوق تھا مگر اب ڈاڑھی رکھنے کے بعد سینما ہال میں جانے سے شرم معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جب مخالفین کے دلائل سنتا ہوں تو کبھی کبھی یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہی لوگ ٹھیک کہتے ہیں مگر پھر یہ جذبہ کام کرنے لگ جاتا ہے کہ چاہے پوری دنیا میری مخالفت پر اتر آئے، میرے رویہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ لہٰذا میری رہنمائی کیجیے تاکہ مجھے اطمینان نصیب ہو۔

جواب :- جب آپ نے سنت رسول سمجھ کر یہ کام کیا ہے تو پھر کسی کے اعتراض و مخالفت کی پروا نہ کیجیے اور سب سے کہہ دیجیے کہ یہ داڑھی رہنے کے لیے آئی ہے، جانے کے لیے نہیں آئی۔ اس کے ہوتے ہوئے اگر آپ میرے ساتھ تعلقات رکھ سکتے ہیں تو رکھیے ورنہ اگر آپ کے لیے سنت رسول ؐ اس قدر ناقابل برداشت ہے کہ اس کی وجہ سے میرے ساتھ بھی تعلق رکھنا ناگوار ہے تو بخوشی قطع تعلق کر لیجیے، میرے لیے خدا اور رسول کافی ہیں۔

اختلافی مسائل پر امت سازی کا فتنہ

سوال :- مجھے مذہبی تنازع اور تفرقہ سے فطری بُعد ہے اور وہ تمام جزئی مسائل جن میں اختلاف کرنے کی گنجائش خود شریعت میں موجود ہے ان میں اختلاف کو جائز رکھتا ہوں۔ اسی طرح اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملہ میں دو یا تین طریقے عمل ثابت ہوں تو ان سب کو جائز اور سنت کی حد کے اندر شمار کرتا ہوں۔ مثلاً نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا میرے نزدیک دونوں برابر ہیں، چنانچہ میں ان دونوں صورتوں پر عمل کرتا ہوں۔ کبھی اس پر اور کبھی اس پر۔ مجھے اپنے اس مسلک پر پورا پورا اطمینان ہے اور میں نے اسے سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ مگر والد محترم نے جو رکن جماعت بھی ہیں محض نماز میں رفع یدین کا التزام چھوڑ دینے کی وجہ سے مجھے یہ نوٹس دے دیا ہے کہ اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی تو پھر ہمارے تمہارے درمیان سلام کلام کا تعلق برقرار نہیں رہ سکتا۔ میں نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اب یہ قضیہ میرے اور والد محترم کے حلقہ تعارف میں بحث کا موضوع بن گیا ہے اور دونوں کی تائید اور تردید میں لوگ زور استدلال صرف کر رہے ہیں۔ مجھ پر جو بے سروپا اعتراضات ہو رہے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ تو حنفی ہو گیا ہے، تیرا دو طریقوں پر عمل کرنا دو عملی اور نفاق ہے، تم جماعت کی اکثریت سے مرعوب ہو گئے ہو، تمہارا اصل مقصود طلب زر اور حصولِ عزت ہے، تمہیں احناف نے یہ پٹی پڑھائی ہے، تو مودودی صاحب کا مقلد ہے، وغیرہ۔ ان اعتراضات میں سے دلچسپ ترین تو یہ تھا کہ ہمیں پہلے ہی مودودی صاحب سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ جماعت اسلامی کے نام پر اہل حدیث کو حنفی بنا کے رہیں گے، چنانچہ یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ یعنی پہلے پہل تو اس جماعت میں آنے والے سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا فقہی مسلک جماعت میں آنے کے بعد بھی برقرار رہیگا، مگر جماعت میں آنے کے بعد ایسے طریقوں سے کام لیا جاتا ہے کہ کسی شخص کو خود کوئی احساس بھی نہیں ہوتا اور اس کا مسلک سراسر بدل جاتا ہے۔ میں حسب موقع ان سب اعتراضات کے جواب دیتا رہا ہوں، لیکن پھر بھی اپنے اطمینان کے لیے حسب ذیل امور کی وضاحت چاہتا ہوں:-

۱- والدین کے حقوق کا دائرہ کتنا وسیع ہے؟ کیا وہ اولاد سے مسائل کی تحقیق کا اور اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرنے کا حق بھی سلب کر سکتے ہیں؟ کیا والدین کی مرضی کے خلاف مسلک اہل حدیث کی خلاف ورزی (یعنی ترک رفع یدین) کرنے پر "سخط الرب فی سخط الوالدین" کی وعید کا مستوجب ہو جاؤں گا؟

۲- از روئے شریعت نماز میں رفع یدین کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟ کیا ترک رفع سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟

۳- کیا ایک رکن جماعت دوسرے رکن سے اس بنا پر مقاطعہ کر سکتا ہے کہ اس نے مزعومہ مسلک اہل حدیث کی خلاف ورزی کی ہے؟

جواب :- جس نزاع کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس کا حال پڑھ کر مجھے بہت رنج ہوا۔ مجھ کو اس بات کی ہرگز توقع نہ تھی کہ ہماری جماعت میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہوں گے جو فقہی مسائل میں تعصب و تشدد کی اس حد کو پہنچے ہوئے ہوں گے۔ اگر آپ جیسا معتمد علیہ آدمی ان حالات کا راوی نہ ہوتا اور ایک دوسری اطلاع سے آپ کی تائید نہ ہو گئی ہوتی تو شاید

میں اس بات کو باور کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا کہ واقعی ہماری جماعت میں ایسی صورت حال پیدا ہوئی ہوگی۔ بہرحال اب کہ اس نزاع نے سر اٹھا ہی لیا ہے، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ کی اصولی اور فقہی اور جماعتی حیثیت کو صاف صاف واضح کر دوں۔

۱۔ اصولی حیثیت سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ شرعی مسائل میں کسی شخص یا گروہ کا کسی خاص طریق تحقیق و استنباط یا کسی مخصوص مذہب فقہی کی پیروی کرنا اور چیز ہے اور اس کا اپنے اس خاص طریقہ یا مذہب کے لیے متعصب ہونا اور اس کی بنا پر جتھے بندی کرنا اور اس سے مختلف مذہب رکھنے والوں سے مغایرت و منافرت برتنا اور اس کی پابندی ترک کرنے والوں کو اس طرح ملامت کرنا کہ گویا ان کے دین میں کوئی نقص آگیا ہے، بالکل ایک دوسری چیز ہے۔ پہلی چیز کے لیے تو شریعت میں پوری پوری گنجائش ہے، بلکہ خود صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے طرز عمل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اور دین میں اس سے کوئی خرابی رونما نہیں ہوتی۔ لیکن دوسری چیز بعینہٖ وہ تفرق فی الدین ہے جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے، اور اس تفرق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ لوگ فقہی مسائل ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھتے ہیں، پھر ان مسائل میں ذرا ذرا سے اختلاف پر ان کے درمیان الگ الگ امتیں بنتی ہیں، پھر ان فروعی بحثوں میں وہ اس قدر الجھتے اور ایک دوسرے سے بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ ان کے لیے امت مسلمہ کی زندگی کے اصل مقصد (یعنی اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین) کی خاطر مل کر جدوجہد کرنا غیر ممکن ہو جاتا ہے۔

مسلک فقہی کے اعتبار سے کسی کا طریق اہل حدیث یا طریق حنفی یا طریق شافعی وغیرہ پر چلنا بجائے خود کسی قباحت کا موجب نہیں، لیکن اگر یہ چیز آگے بڑھ کر یہ صورت اختیار کر لے کہ مسلمان فی الحقیقت ایک امت نہ رہیں، بلکہ اہل حدیث، احناف، شوافع وغیرہ ناموں سے الگ الگ مستقل امتیں بن جائیں، اور شرعی اعمال کی جو خاص صورتیں ان مختلف گروہوں نے اختیار کی ہیں وہ ہر ایک گروہ کے مخصوص شعائر قرار پا جائیں جن کی بنا پر ان گروہوں میں مغایرت اور امتیاز واقع ہو تو پھر یقیناً یہ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے اور میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دین اسلام میں اس تقسیم اور تعصب کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ رفع یدین کرنا یا نہ کرنا، آمین زور سے کہنا یا آہستہ کہنا، اور ایسے ہی دوسرے امور صرف اسی وقت تک شرعی اعمال ہیں جب تک کوئی شخص ان کے ترک یا فعل کو اس بنا پر اختیار کرے کہ اس کی تحقیق میں شریعت سے ایسا ہی ثابت ہے، یا یہ کہ ایسا کرنا دلائل شرعیہ کی بنا پر ارجح اور اولیٰ ہے۔ مگر جب یہی اعمال کسی مخصوص فرقے کے شعائر بن جائیں اور ان کا ترک یا فعل وہ علامت قرار پائے جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جانے لگے کہ آپ کس فرقہ میں داخل اور کس سے خارج ہیں اور پھر انہی علامتوں کے لحاظ سے یہ طے ہونے لگے کہ کون اپنا ہے اور کون غیر، تو اس صورت میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا یا آمین زور سے کہنا یا آہستہ کہنا یا ایسے ہی دوسرے امور کا ترک اور فعل دونوں یکساں بدعت ہیں اور بدترین قسم کی بدعت ہیں۔ اس لیے کہ سنت رسول اللہ میں بجائے خود تو ان اعمال کا ثبوت ملتا ہے، لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ان اعمال کو مسلمانوں کے اندر گروہ بندیوں اور فرقہ سازیوں کے لیے علامات اور شعائر بنایا جائے۔ ایسا کرنا دراصل حدیث کا نام لے کر صاحب حدیث علیہ السلام کے منشا کے بالکل برعکس کام کرنا ہے اور اس اصل کام کو غارت کرنا ہے جس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے۔

۲- اب اس سلسلہ کی فقہی حیثیت کو لیجیے۔ رفع یدین کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ مختلف طرزِ عمل منقول ہیں:

ا- ابن عمرؓ کی روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ تین مواقع پر رفع یدین کرتے تھے۔ افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت، رکوع میں جاتے ہوئے، اور رکوع سے اٹھ کر۔

ب- مالک بن حویرث کی روایت جس میں دو موقعوں پر رفع یدین کا ذکر ملتا ہے۔ افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت اور رکوع سے اٹھ کر۔

ج- وائل بن حُجر کی روایت جس میں چار مواقع پر اس کا ہونا مذکور ہے۔ افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت۔ رکوع میں جاتے ہوئے۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے۔ سجدہ کے موقع پر۔

د- ابو حُمید ساعدی کی روایت، اس میں بھی چار مواقع پر رفع یدین کا ذکر ہے، مگر چوتھا موقع سجدہ کی بجائے تیسری رکعت میں قعدہ سے اٹھنے پر بیان کیا گیا ہے۔

ہ- عبداللہ ابن مسعود اور براء ابن عازب کی روایت جس میں صرف ایک مرتبہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، یعنی افتتاحِ صلوٰۃ کے موقع پر۔

ان مختلف روایات میں سے (ا) کو امام شافعی، احمد، اور ابو ثور نے، نیز اہل الحدیث اور اہل الظاہر کی اکثریت نے اختیار کیا اور ایک روایت امام مالک سے بھی یہی ہے کہ وہ اس کو ترجیح دیتے تھے۔ (د) کو اہل الحدیث کے ایک گروہ نے مرجح ٹھہرایا۔ اور (ہ) کو ابراہیم نخعی، شعبی، سفیان ثوری، ابو حنیفہ اور تمام فقہائے کوفہ نے ترجیح دی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ سوال صرف ترجیح کا ہے نہ کہ رد و قبول کا۔ ائمہ سلف میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ جن مختلف طریقوں کا ذکر مذکورۂ بالا احادیث میں آیا ہے ان میں سے کسی پر حضورؐ نے عمل نہیں کیا تھا، بلکہ کہتے صرف یہ ہیں کہ جس خاص طریقہ کو ہم نے مرجح قرار دیا ہے وہ حضورؐ کا عام معمول تھا اور دوسرے طریقوں پر آپ کبھی کبھی عمل کر لیتے تھے۔ پس جب معاملہ کی حقیقت یہ ہے تو ان طریقوں میں سے جس پر بھی کوئی عمل کر رہا ہے، حدیث ہی کی پیروی کر رہا ہے اور اس پر نکیر کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اتباعِ پیغمبر پر نکیر کی جاتی ہے جس کی جرأت مقلدین کو بھی زیبا نہیں کجا کہ اہل حدیث اس کا ارتکاب کریں۔ پھر اگر کوئی شخص ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر جامد ہونے کے بجائے وقتاً فوقتاً ان سب طریقوں پر عمل کرتا رہے جو حدیث میں مذکور ہیں تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ صحیح و مکمل پیروی ہوگی، اور لفظ عمل بالحدیث کا اطلاق اس طرزِ عمل پر زیادہ صحیح معنی میں ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ابتدا ہی میں ایک طریقہ کو ترجیح دینے اور باقی سب طریقوں کو ترک کر دینے کے بجائے ان سب طریقوں کو نماز میں اختیار کرنے کی گنجائش رکھی جاتی تو شاید بعد کے ادوار میں وہ جمود و تعصب پیدا ہی نہ ہوتا جس کی بدولت نوبت یہ آگئی ہے کہ لوگ نماز کی جس صورت کے عادی ہیں اس سے ذرا سی مختلف صورت بھی جہاں انھوں نے دیکھی اور بس وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس شخص کا دین بدل گیا ہے اور یہ ہماری امت سے نکل کر دوسری امت میں جا ملا ہے۔

یہ رائے جو میں عرض کر رہا ہوں یہ صرف میری انفرادی رائے ہی نہیں ہے بلکہ پہلے بھی متعدد اہل تحقیق اسی خیال کا اظہار کر چکے ہیں۔ اس وقت میرے پاس سفر میں کتابیں موجود نہیں ہیں .... اس لیے میں زیادہ وسیع

پیمانہ پر شواہد پیش نہیں کر سکتا، لیکن حجۃ اللہ البالغہ خوش قسمتی سے مل گئی ہے اس سے چند حوالے یہاں نقل کرتا ہوں۔ شاہ صاحب پہلے تو یہ اصولی بات ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

الاصل ان یعمل بکل حدیث الا ان یمتنع العمل بالجمیع للتناقض (باب القضاء فی الاحادیث المختلفۃ)

اصولی بات یہ ہے کہ آدمی ہر حدیث پر عمل کرے، الا یہ کہ کسی مسئلہ میں سب حدیثوں پر عمل کرنا تناقض کی وجہ سے غیر ممکن ہو۔

پھر آگے چل کر فصل فی عدۃ امور مشکلۃ من التقلید واختلاف المذاھب میں فرماتے ہیں:-

ان اکثر صور الاختلاف بین الفقھاء لا سیما فی المسائل التی ظھر فیھا اقوال الصحابۃ فی الجانبین کتکبیرات التشریق وتکبیرات العیدین ونکاح المحرم وتشھد ابن عباس وابن مسعود والاخفاء بالبسملۃ وبآمین والاشفاع والایتار فی الاقامۃ ونحو ذلک، انما ھو فی ترجیح احد القولین وکان السلف لا یختلفون فی اصل المشروعیۃ وانما کان خلافھم فی اولی الامرین ونظیرہ اختلاف القراء فی وجوہ القراءۃ وقد عللوا کثیرا من ھذا الباب بان الصحابۃ مختلفون وانھم جمیعا علی الھدی۔

واقعہ یہ ہے کہ فقہاء کے درمیان اختلاف کی اکثر صورتیں بالخصوص ان مسائل میں جن میں صحابہ کے اقوال دونوں طرف پائے جاتے ہیں مثلاً تکبیراتِ تشریق، تکبیرات عیدین، نکاح محرم، تشہد ابن عباس و ابن مسعود، بسم اللہ اور آمین کا اخفاء، تکبیراتِ اقامت میں کلمات کو ایک ایک مرتبہ یا دو دو مرتبہ پڑھنا وغیرہ، ان میں اختلاف دراصل اس امر میں ہے کہ دو اقوال میں سے کس کو کس پر ترجیح ہے ورنہ ان مختلف طریقوں کے بجائے خود مشروع ہونے میں سلف کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان کا اختلاف تو صرف اس اعتبار سے تھا کہ دو مختلف امور میں سے اولیٰ کونسا ہے، اور یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسے قرأت کی مختلف صورتوں میں قاریوں کے درمیان اختلاف ہے۔ اس معاملہ میں بیشتر امور کے اختلاف کی وجہ سلف نے یہ بتائی ہے کہ صحابہ کرام خود ان میں مختلف تھے اور ظاہر ہے کہ صحابہ سب کے سب ہدایت پر تھے۔

پھر باب اذکار الصلوٰۃ وھیأتھا المندوب الیھا میں فرماتے ہیں:-

وھو (ای رفع الیدین) من الھیأت فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ وترکہ مرۃ والکل سنۃ واخذ بکل واحد جماعۃ من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم وھذا احد المواضع التی اختلف فیھا الفریقان اھل المدینۃ والکوفۃ ولکل واحد اصل اصیل والحق عندی فی مثل ذلک ان الکل سنۃ

اور وہ (یعنی رفع یدین) نماز کی ان ہیئتوں میں سے ہے جن کو نبی صلعم نے کبھی کیا ہے اور کبھی نہیں کیا، اور یہ دونوں طریقے سنت ہیں، صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں سے ایک ایک جماعت نے ان میں ایک ایک طریقے کو اختیار کیا ہے، اور یہ من جملہ ان معاملات کے ہے جن میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، لیکن ہر ایک کے لیے ایک ثابت شدہ اصل شریعت میں موجود ہے اور ایسے مسائل میں میرے نزدیک حق یہ ہے کہ سب مختلف طریقے یکساں سنت ہیں۔

شاہ صاحب کی ان تصریحات کے بعد اس امر کی ضرورت نہیں رہتی کہ میں آمین کے مسئلہ کے متعلق الگ بحث کروں۔ تاہم اس معاملہ میں صاحب الجوہر النقی کا یہ قول نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ:-

والصواب ان الحدیثین بالجهر بها والمخافتة صحیحان وعمل بکل من فعلیه جماعة من العلماء

اور صحیح یہ ہے کہ آمین زور سے کہنے اور آہستہ کہنے، دونوں کی روایتیں صحیح ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر علما کی ایک ایک جماعت نے عمل کیا ہے۔

۳۔ ہماری جماعت کا ان اختلافی معاملات میں جو مسلک ہے اس کی توضیح اس سے پہلے بارہا کی جا چکی ہے، اور میں اب ایک مرتبہ پھر اسے صاف صاف الفاظ میں بیان کیے دیتا ہوں۔ اس جماعت میں اہل حدیث، احناف، شوافع اور ایسے ہی دوسرے فقہی طریقوں پر چلنے والے مسلمانوں کے لیے اپنے اپنے فقہی مسلک پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہے، بشرطیکہ وہ ان مسلکوں میں سے کسی کے لیے متعصب نہ ہوں اور ان اختلافات کو منافرت اور جتھہ بندی کا ذریعہ نہ بنائیں۔ جماعت کے اندر جو لوگ بھی شامل ہوں انھیں اسلامی عصبیت کے سوا اور ساری عصبیتیں اپنے اندر سے نکالنی ہوں گی خواہ وہ وطنی عصبیتیں ہوں، نسلی ہوں، طبقاتی ہوں یا گروہی۔ ان کو محبت اور دوستی کے رشتہ میں جوڑنے والی چیز اسلام کے سوا اور کوئی نہ ہو، اور ان کے اندر غصہ و نفرت کو بھڑکانے والی بھی اسلام سے دوری کے سوا کوئی دوسری چیز نہ ہو۔ کسی رکن جماعت کے لیے کسی دوسرے شخص کا اہل حدیث یا حنفی یا شافعی مسلک پر ہونا یا اختیار کر لینا نہ تو سبب محبت ہی ہو اور نہ سبب نفرت۔ اس لازمی و ضروری شرط کے ساتھ اہل حدیث اہل حدیث رہتے ہوئے اور حنفی حنفی رہتے ہوئے اور شافعی شافعی رہتے ہوئے جماعت اسلامی کا رکن ہو سکتا ہے۔ لیکن جو شخص کسی مخصوص فقہی مذہب کے لیے متعصب ہو، اور اپنے مذہب کے پیروؤں سے محبت اور دوسرے طریقے والوں سے نفرت رکھتا ہو، اور حنفی، شافعی یا اہل حدیث ہو جانے کو جرم سمجھتا ہو اس کے لیے ہماری اس جماعت میں کوئی جگہ نہیں۔

۴۔ میرے متعلق اس نزاع کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے اُس پر میں صبر کرتا ہوں اور ان لوگوں کے معاملہ کو خدا پر چھوڑتا ہوں جنھوں نے بغیر علم و تحقیق کے یہ بدگمانی لوگوں میں پھیلائی کہ میں اہل حدیث کو حنفی بنانے کی سازش کر رہا ہوں۔ کاش وہ لوگ جو فقہی جزئیات میں کتاب و سنت کی پیروی پر بڑا زور دیا کرتے ہیں، اخلاقی معاملات میں بھی کتاب و سنت کی کچھ پیروی کر لیا کریں۔

۵۔ آپ کے والد ماجد نے اس قضیہ میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس کی دو حیثیتیں ہیں، ایک رکن جماعت ہونے کی حیثیت سے اور ایک آپ کے والد ہونے کی حیثیت سے۔ جہاں تک پہلی حیثیت کا تعلق ہے اس پر میں نمبر ۳ میں روشنی ڈال چکا ہوں لہٰذا وہ براہ کرم اپنے متعلق فیصلہ کر لیں کہ آیا وہ اپنے رویہ کو بدلنا پسند فرماتے ہیں یا جماعت سے علیحدگی۔ رہی دوسری حیثیت، تو اس کے متعلق میں مختصر طور پر صرف یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ جہاں تک اصول دین کا تعلق ہے، والدین کو نہ صرف یہ حق ہے بلکہ یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اعتقادی ضلالت یا اخلاقی فساد سے روکنے کی کوشش کریں۔ لیکن جہاں تک فقہی معاملات کا تعلق ہے، والدین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اولاد کو اپنے مسلک خاص کی پیروی پر مجبور کریں۔ خصوصاً جبکہ اولاد صاحب علم ہو اور تحقیق کی بنا پر والدین سے مختلف کسی دوسرے مسلک فقہی کو اختیار کرنا چاہے تو والدین کے لیے یہ مطالبہ کرنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ وہ اپنی تحقیق کے خلاف عمل کرے۔ اس معاملہ میں سلف کا صحیح اتباع یہ ہے کہ والدین اور اولاد دونوں کو تحقیق کی آزادی اور اپنی تحقیق پر عمل کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ اس حق کو سلب کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر ایک شخص اہل حدیث یا حنفی یا شافعی ہو تو وہ اپنی آئندہ نسل کو بھی اہل حدیث، حنفی، یا شافعی بنانے پر اصرار کرے گا اور دو چار پشتیں گزر جانے کے بعد

یہ طریقے محض فقہی مسلک نہ رہیں گے، بلکہ نسلی امتیں بن جائیں گی جن میں تعصب ہوگا، جمود ہوگا اور آبائی مسلک سے ہٹنا ارتداد کا ہم معنی قرار پائے گا۔ آپ خود ہی اپنے والد ماجد سے دریافت فرما لیں کہ آیا وہ اپنی آئندہ نسل کو اس فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں؟

سفر میں قصر صلوٰۃ

سوال:- (ا) قصر صلوٰۃ انگریزی میلوں کے حساب سے کتنے لمبے سفر میں واجب ہے؟

(ب) کیا یہ فاصلہ یک طرفہ سفر کے لیے ہے یا آمد و رفت کی دوہری مسافت بھی شمار ہوگی؟

(ج) کیا ایک مقررہ حلقہ میں سفر کرنے پر بھی یہ رعایت حاصل ہوگی؟

جواب:- (ا) فقہا کی آرا اس معاملہ میں مختلف ہیں۔ چنانچہ قصر صلوٰۃ کے لیے کم از کم ۹ میل اور زیادہ سے زیادہ ۴۸ میل کا نصاب سفر مقرر کیا گیا ہے۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آنحضورؐ سے اس معاملہ میں کوئی صریح ارشاد منقول نہیں ہے، اور نص صریح کی غیر موجودگی میں جن دلائل سے استنباط کیا گیا ہے۔ ان کے اندر مختلف اقوال کی گنجائش ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قصر کے لیے مسافت کا ایسا تعین جس میں ایک نقطۂ خاص سے تجاوز کرتے ہی قصر کا حکم لگایا جاسکے شارعؑ کا منشا نہیں ہے۔ شارع نے "سفر" کے مفہوم کو عرف عام پر چھوڑ دیا ہے اور یہ بات ہر شخص خود باسانی جان سکتا ہے کہ کب وہ سفر میں ہے اور کب سفر میں نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم اگر شہر سے تفریح کے لیے نکلتے ہیں یا گاؤں سے خرید و فروخت کے لیے شہر جاتے ہیں تو کبھی بھی مسافر ہونے کا احساس ہمارے ذہن میں نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے جب واقعۃً سفر در پیش ہوتا ہے تو ہم مسافرت کی کیفیت خود محسوس کرتے ہیں۔ اسی احساس کے مطابق قصر اور اتمام کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ شرعی معاملات میں صرف اس شخص کا فتوائے قلب معتبر ہے جو شریعت کی پابندی کا ارادہ رکھتا ہو نہ کہ بہانہ بازی کا۔

(ب) اس حصہ کا جواب اوپر ہی کی سطور میں موجود ہے۔ ویسے جن فقہا نے مقدار سفر مقرر کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے پیش نظر یک طرفہ مسافت تھی۔

(ج) ہاں، مقررہ حلقہ میں سفر کرنے کی شکل میں بھی قصر صلوٰۃ کرنا چاہیے جس طرح اس حلقہ سے باہر کے سفروں کے دوران میں۔

ہندوستان میں گائے کی قربانی کا مسئلہ

سوال:- مسلمان قوم اگر ہندوستان میں گائے کی قربانی کو روک دے تو اسلام کی نگاہ میں کوئی قیامت نہیں آجاتی خصوصاً جب کہ اس فعل میں نفع کم اور نقصان زیادہ ہے۔ پھر کیوں نہ ایک ہمسایہ قوم کا اتحاد حاصل کرنے کے لیے رعایت سے کام لیا جائے؟ اکبر اعظم، جہانگیر، شاہجہاں اور موجودہ نظام حیدر آباد نے عملی مثالیں اس سلسلہ میں قائم کی ہیں۔

جواب: آپ نے جن بڑے بڑے "اماموں" کا نام لیا ہے، افسوس ہے کہ مجھے ان میں سے کسی کی تقلید کا شرف حاصل نہیں ہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں نے ہندوستان میں ہندوؤں کو راضی کرنے کے لیے اگر گائے کی قربانی ترک کی تو چاہے وہ کائناتی قیامت نہ آجائے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، لیکن ہندوستان کی حد تک اسلام پر واقعی قیامت تو ضرور آجائے گی۔ افسوس یہ ہے کہ آپ لوگوں کا نقطۂ نظر اس مسئلہ میں اسلام کے نقطۂ نظر کی عین ضد ہے۔ آپ کے نزدیک اہمیت صرف اس امر کی ہے کہ کسی طرح دو قوموں کے درمیان اختلاف و نزاع کے اسباب دور ہو جائیں، لیکن اسلام کے نزدیک اصل اہمیت یہ امر رکھتا ہے کہ توحید کا عقیدہ اختیار کرنے والوں کو شرک کے ہر ممکن خطرہ سے بچایا جائے۔

جس ملک میں گائے کی پوجا نہ ہوتی ہو اور گائے کو معبودوں میں شامل نہ کیا گیا ہو اور اس کے تقدس کا بھی عقیدہ نہ پایا جاتا ہو، وہاں تو گائے کی قربانی محض ایک جائز فعل ہے جس کو اگر نہ کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن جہاں گائے معبود ہو اور تقدس کا مقام رکھتی ہو، وہاں تو گائے کی قربانی کا حکم ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا۔ اگر ایسے ملک میں کچھ مدت تک مسلمان مصلحتاً گائے کی قربانی ترک کر دیں اور گائے کا گوشت بھی نہ کھائیں تو یہ یقینی خطرہ ہے کہ آگے چل کر اپنی ہمسایہ قوموں کے گاؤ پرستانہ عقائد سے وہ متاثر ہو جائیں گے اور گائے کے تقدس کا اثر ان کے قلوب میں اسی طرح بیٹھ جائے گا جس طرح مصر کی گاؤ پرست آبادی میں رہتے رہتے بنی اسرائیل کا حال ہوا تھا کہ "اُشربوا فی قلوبھم العجل"۔ پھر اس ماحول میں جو ہندو اسلام قبول کریں گے وہ چاہے اسلام کے اور دوسرے عقائد قبول کر لیں، لیکن گائے کی تقدیس ان کے اندر بدستور موجود رہے گی۔ اسی لیے میں ہندوستان میں گائے کی قربانی کو واجب سمجھتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی میرے نزدیک کسی نو مسلم ہندو کا اسلام اس وقت تک معتبر نہیں ہے جب تک وہ کم از کم ایک مرتبہ گائے کا گوشت نہ کھائے۔ اسی کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جس میں حضور نے فرمایا کہ "جس نے نماز پڑھی جیسی ہم پڑھتے ہیں اور جس نے اسی قبلہ کو اختیار کیا جو ہمارا ہے اور جس نے ہمارا ذبیحہ کھایا وہ ہم میں سے ہے"۔ یہ "ہمارا ذبیحہ کھایا" دوسرے الفاظ میں یہ معنی رکھتا ہے کہ مسلمانوں میں شامل ہونے کے لیے ان اوہام و قیود اور بندشوں کا توڑنا بھی ضروری ہے جن کا جاہلیت کی حالت میں کوئی شخص پابند رہا ہو۔

غیر محرم قریبی اعزہ سے پردہ کی صورت

سوال: کیا شوہر بیوی کو کسی ایسے رشتہ دار یا عزیز کے سامنے بے پردہ آنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے جو شرعاً بیوی کے لیے غیر محرم ہو؟ نیز یہ بھی واضح فرمایئے کہ سسرال یا میکے کے ایسے غیر محرم قریبی رشتہ دار جن سے ہندوستانی نظام معاشرت کے تحت عموماً عورتوں میں پردہ کرنے کا رواج نہیں، ان سے پردہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور اگر کرنا چاہیے تو کن حدود کے ساتھ؟

جواب: شوہر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدا کے احکام کی خلاف ورزی پر بیوی کو مجبور کرے اور اگر وہ ایسا کرے تو مسلمان عورت کا فرض ہے کہ ایسے مطالبات پورے کرنے سے انکار کر دے۔

سسرال اور میکے میں عورتوں کا عموماً جن غیر محرم مگر قریبی رشتہ داروں کے ساتھ رہن سہن ہوتا ہے ان سے پردے کی نوعیت وہ نہیں ہے جو بالکل غیر مردوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ عورتیں ان کے سامنے بغیر زینت کے، سادہ لباس میں پورے ستر کے ساتھ آسکتی ہیں، مگر صرف اس حد تک ان کے سامنے رہنا چاہیے جس حد تک معاشرتی ضروریات کے لحاظ سے بالکل ناگزیر ہو۔ خلا ملا اور بے تکلفی اور ایک مجلس میں بیٹھ کر ہنسی مذاق اور تنہائی میں بیٹھنا اس قسم کے رشتہ داروں کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

اس معاملہ میں فی الواقع ہماری معاشرت میں بڑی پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ اگرچہ شریعت کا جو حکم ہے، میں نے بتا دیا ہے لیکن مسلمانوں میں رواج سے جو غیر شرعی حالات پیدا ہو گئے ہیں ان کو دور کرنے کے لیے بڑی جرأت اور عزم کی ضرورت ہے۔ ایک طرف مسلمان غیروں سے اتنے پردے کا اہتمام کرتے ہیں جو کہیں کہیں خود شریعت کے مطالبات سے بڑھ جاتا ہے اور دوسری طرف رشتہ داروں کے معاملہ میں انھوں نے تمام حدود شرعیہ کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ اس معاملہ میں شاید ہم کو کسی وقت ایسا سخت طرز عمل اختیار کرنا پڑے گا جس سے بعید نہیں کہ ہمارے خاندانی تعلقات میں بہت سی تلخیاں پیدا ہو جائیں)۔

تزکیۂ نفس کی حقیقت

سوال:۔ یہاں کی مقامی فضا تصوف کے چرچے سے معمور ہے۔ اس وجہ سے اکثر طرح طرح کے پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس وقت دو باتیں دریافت طلب ہیں:۔

(ا) تزکیۂ نفس کی صحیح تعریف کیا ہے؟ اس بارہ میں رسول اللہ کی تعلیم کیا تھی؟ متصوفین کا اس سلسلہ میں صحیح عمل کیا رہا ہے؟ نیز ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے اس شعبہ میں کیا صورت اختیار کرنی چاہیے؟

(ب) کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آج کل کے صوفیا کی طرح تزکیۂ نفس کیا کرتے تھے اور عالم بالا کے مشاہدات ہوتے رہتے تھے؟

جواب:۔ سوال کے پہلے جزو کے جواب میں یہ ذہن نشین کر لیجیے کہ عربی زبان میں تزکیہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے، ایک پاک صاف کرنا۔ دوسرے بڑھانا اور نشو و نما دینا۔ اس لفظ کو قرآن مجید میں بھی انہی دونوں معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ پس تزکیہ کا عمل دو اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ نفس انسانی کو انفرادی طور پر اور سوسائٹی کو اجتماعی طور پر ناپسندیدہ صفات اور بری رسوم و عادات سے پاک صاف کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ پسندیدہ صفات کے ذریعے اس کو نشو و نما دیا جائے۔

اگر آپ قرآن مجید کو اس نقطۂ نظر سے دیکھیں اور حدیث میں صرف مشکوٰۃ ہی پر اس خیال سے نظر ڈالیں تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہ کونسی ناپسندیدہ صفات ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول دور کرنا چاہتے ہیں اور وہ کونسی پسندیدہ صفات ہیں جن کو وہ افراد اور سوسائٹی میں ترقی دینا چاہتے ہیں۔ نیز قرآن و حدیث کے مطالعہ ہی سے آپ کو ان تدابیر کی بھی پوری تفصیل معلوم ہو جائے گی جو اس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں اور اس کے رسول نے استعمال

میں ترجمان القرآن میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے لکھ رہا ہوں۔ کچھ حصہ لکھ چکا ہوں اور کچھ حصہ آئندہ لکھنے والا ہوں۔ آپ اس سلسلہ کو بغور مطالعہ کریں تو آپ کو سوال کا پورا جواب مل جائے گا۔ یہاں اشارۃً یہی بتا سکتا ہوں کہ اہل تصوف میں ایک مدت سے تزکیۂ نفس کا جو مفہوم رائج ہوگیا ہے اور اس کے جو طریقے ان میں چل پڑے ہیں وہ قرآن وسنت کی تعلیم سے بہت ہٹے ہوئے ہیں۔

دوسرے جزو کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام نے تو عالم بالا کے معاملہ میں صرف رسول کے اعتماد پر غیب کی ساری حقیقتوں کو مان لیا تھا اس لیے مشاہدے کی نہ ان کو طلب تھی اور نہ اس کے لیے انھوں نے کوئی سعی کی۔ وہ بجائے اس کے کہ پردۂ غیب کے پیچھے جھانکنے کی کوشش کرتے، اپنی ساری قوتیں اس جد و جہد میں صرف کرتے تھے کہ پہلے اپنے آپ کو اور پھر ساری دنیا کو خدائے واحد کا مطیع بنائیں۔

فہرست کتب مکتبہ جماعت اسلامی

تفہیمات	ہے	اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر	عہ	سلامتی کا راستہ	۶ر	اسلام اور جاہلیت	۶ر
خطبات قسم اول	عہ	تجدید و احیائے دین	عہ	اسلام کا نظریۂ سیاسی	۶ر	نشان راہ	۶ر
مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش	عمہ	پردہ غیر مجلد	عہ	اسلامی حکومت کس طرح	۶ر	جہاد فی سبیل اللہ	۶ر
" " حصہ دوم	عہ	" مجلد	ہے	قائم ہوتی ہے		نیا نظام تعلیم	۴ر
" " حصہ سوم	۱۲ر	روداد جماعت اسلامی حصہ اول	۹ر	انسان کا معاشی مسئلہ	۶ر	دستور جماعت اسلامی	۲ر
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں	عہ	" حصہ سوم	عہ	اور اس کا اسلامی حل		ایک نہایت ہی اہم استفتاء	۲ر
حقیقت توحید	عہ	دینیات (انگریزی مجلد)	ہے	اسلام کیا ہے (انگریزی)	عہ	نیشنلزم اینڈ انڈیا (انگریزی)	۹ر

دیگر اداروں کی کتابیں

جو

مکتبہ جماعت اسلامی، دار الاسلام میں موجود ہیں

عبادت	۲ر	اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر	۶ر	اسلام کا سیاسی نظام اور نظام عالم	۸ر	تفسیر سورہ قیامہ	۸ر
خدا کی اطاعت کس لیے	۲ر	ایمان کی کسوٹی	۲ر	علما اور اسلام	۱۲ر	" سورہ لہب	۶ر
مسلمان کا بنیادی عقیدہ (بڑا چارٹ)	۲ر	کلمہ طیبہ کے معنی	۲ر	مسلمان کی پہچان	۵ر	" سورہ مرسلات	۵ر
" " (چھوٹا)	ار	حقیقت شرک	عہ	نظام اطاعت کی تین کڑیاں	۸ر	" سورہ والتین	۶ر
خطبہ تقسیم اسناد	۲ر	اسلام اور اشتراکیت	عہ	مولانا سندھی کے افکار پر ایک نظر	۱۲ر	" سورہ شمس	۶ر
راہ عمل	۶ر	اسلامی نظام	عہ	ذہنی زلزلے	۲ر	" سورہ عبس	۶ر

اقسام القرآن ۸ر